مولانا حامد الحق حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ

میرے دادا جانؒ میرے شیخ میرے مربّی

برادرم مولانا حامد الحق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے بڑے پوتے حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق مدظلہ کے بڑے صاحبزادے ہیں گذشتہ سال دار العلوم حقانیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے دار العلوم حقانیہ کے فاضل بھی ہیں اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانات میں کامیاب ہو چکے ہیں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں اپنے ذوق اور محنت سے اچھے نمبرات میں کامیاب ہوتے رہے، پنجاب یونیورسٹی سے گریجویٹ آف پولیٹیکل سائنس اور پشاور یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویٹ آف اسلامیات ہیں اس وقت دار العلوم حقانیہ میں دار العلوم کے مختلف امور میں اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹانے کے ساتھ ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں پیش نظر مقالہ ان کے ذاتی مشاہدات، تاریخی یادوں اور دلچسپ واقعات اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت و سوانح کے کئی پہلوؤں پر حاوی ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

تحریر میں سمٹتے ہیں کہاں درد دلوں کے
میں خود کو بہلاتا ہوں بس کاغذوں کے ساتھ
میرے قلم میں ادیبوں کی آب و تاب نہیں
متاع دیدہ خون ناب لے کے آیا ہوں

گزارش احوال واقعی

حضرت والد ماجد صاحب کی زیر نگرانی ماہنامہ الحق کا خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نمبر تیاری کے مراحل کی طرف رواں دواں تھا کہ حضرتؒ کے ایک ادنیٰ اور حقیر پوتے ہونے کے ناطے اباجی نے حکم دیا کہ دادا جانؒ سے وابستہ اپنی یادداشتیں مرتب کرکے شیخ الحدیث نمبر کے مرتب جناب مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی خدمت میں جلد پیش کردو، میں اپنی بساط کے مطابق یہ کام ڈیڑھ سال قبل ماہ رمضان میں مکمل کر چکا تھا کیونکہ ادارے کے مطابق یہ اسی رمضان میں عید الفطر کے فوراً بعد الحق نمبر نے منظر عام پر آنا تھا بدقسمتی میری کہ اس مضمون کی اصل اور نقل دونوں انہی دنوں گم ہوگئے جس کے بعد اپنی محنت کے اس طرح ضائع ہو جانے پر دوبارہ لکھنے کا حوصلہ نہ بن سکا۔

کہاں میں کہاں یہ نکہت گل

اور اپنی سستی طبیعت اور طفل مکتب ہونے کی حیثیت سے حضرت داجی گلؒ کے بارے میں قلم اٹھانے کی جسارت کا خوف کوہ گراں سر کرنے کے مترادف دل و دماغ پر سوار تھا جس سے ذہن کا حافظہ اور حوصلہ مفلوج ہو گیا تھا۔

کہاں میں کہاں یہ نکہت گلؒ

لیکن اباجی کے دوبارہ انتباہ اور خود اپنی خریداران یوسف کی لسٹ میں نام لکھوانے کی آرزو اور کچھ سابقہ مضمون کے چند رف لکھے ہوئے ٹکڑوں کے سہارے اور کچھ دادا جانؒ کی یاد نے ماضی کے لگے ہوئے بند زخموں کو ایک بار پھر کھول دیا۔

ے آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ما سوا کو مٹاتی چلی گئی

دل ڈوبنے لگتا ہے

اور میری ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں کے سامنے ان کا مرض الموت کی حالت میں خیبر ہسپتال پشاور میں چار ستمبر ۱۹۸۸ء کو رات ڈھائی بجے نیند سے بیدار ہو کر حضرتؒ کا استغراق اور جذب و کیف کی حالت میں نور کی طرح چمکتے معصوم چہرۂ اقدس کی تابانی آجاتی ہے تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔ حضرت دادا جانؒ کی وفات حسرت آیات اتنی اچانک تھی کہ دل و دماغ ان کے صدمہ وقت کے دیتے ہوئے غم کے پہاڑوں تلے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگتے ہیں، یقیناً موت برحق ہے لیکن دادا جانؒ

اچانک اس طرح ہم سے روٹھ کے چلے گئے جس سے ہماری روحوں پر اُن مٹ زخموں کے نقوش تاقیامت تازہ رہیں گے۔

ع زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

زندگی کا ماحصل

الحمدللہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا حضرت قائد شریعت داجی گل رحمہ اللہ سے انتہائی قریب رہنے اور مقدور بھر خدمت کرنے کی ادنیٰ سی سعی اور کوشش کرتا رہا اور میری زندگی کا ماحصل آپ کی خدمت کے اوقات کے کچھ لمحات ہیں اور جو غفلت اور بے پرواہی میں اوقات گزرے ان کا رنج و غم آج بھی اپنے اوپر ایک بوجھ سا محسوس کرتا ہوں۔

ع وابستہ تیری یاد سے میری حیات ہے

پیدائش سے لیکر ہوش سنبھالنے تک ہم حضرت داجی گل رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے آبائی گھر متصل جامع مسجد یعنی قدیم دارالعلوم حقانیہ میں مقیم تھے، اباجی سمیت حضرت داجی گل رحمہ اللہ کی تمام اولاد اور ہم سب اسی گھر میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے اور زندگی کی بہاریں گزاریں، پھر اباجی اس گھر کے چھوٹے ہو جانے کی وجہ سے اپنے ذاتی زیر تعمیر مکان متصل جامعہ حقانیہ میں منتقل ہوئے اور سکونت پذیر ہو گئے۔

یومیہ معمول

اب میری زندگی کا معمول بن گیا تھا کہ روزانہ عصر کی نماز سے مغرب تک حضرت داداجان رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے دارالعلوم سے جاتا جہاں مجھے ان کی گود میں پہنچ کر قلبی اور روحانی تسکین نصیب ہوتی۔ اور اسی روحانی تسکین کے نشہ۔ سرور کی کشش نے ہر جگہ اور ہر مقام پر مجھے اپنے محبوب حضرت داجی گل رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ رکھا۔

حظ وافر اور بھرپور استفادہ

چاہے گھر ہو یا حجرہ، مسجد ہو یا دارالعلوم یا قریبی علاقوں میں غمی اور خوشی اور تبلیغی اسفار، تحریک نفاذ شریعت کی جد وجہد کے لیے علماء کرام کے اجتماعات ہوتے، تحریک تحفظ ختم نبوت ہو یا تحریک نظام مصطفیٰ، شریعت بل کے نفاذ کی خاطر متحدہ شریعت محاذ کے پرچم تلے مظاہرے ہوتے یا قائدین ملک یا سیاسی سرکاری زعماء کے ساتھ ملاقاتیں، جمعیۃ علماء اسلام اور جمعیۃ طلباء اسلام کے کنونشن اور تقاریب، آپ کے باطل کے مقابلہ میں زمانۂ الیکشن کی ہنگامہ خیز مساعی ہوں کہ جامعہ کے شورائی اجلاس، جہاد افغانستان کو تکمیل پذیر کرانے کے لیے رائے عامہ کی ہمواری اور مجاہدین کے حوصلوں کی بلندی کی خاطر جہاد کانفرنس ہو یا ان کے ذاتی اہم اجلاس، پارلیمنٹ کے اجلاسوں کے دوران گورنمنٹ ہاسٹل اسلام آباد یا ہسپتالوں میں تیمارداری کے باسعادت مواقع ہوں یا ہندوستان میں جشن صد سالہ دارالعلوم دیوبند کے لیے سفر، علماء ومشائخ سے ملاقاتیں اور اساتذہ کرام اور اولیاء کرام کے مزاروں پہ حاضری کے مواقع غرض احقر کو الحمدللہ صحبت با اہل حق کی ان پر رونق محفلوں اور مجلسوں میں برابر شرکت سے حظ وافر اور بھرپور استفادہ اور حضرت کی شفقتیں نصیب ہوتی رہیں۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

گھر کی بالائی منزل

مہربان داداجان ہر جگہ ہر مقام ہر سفر ہر محفل میں لوگوں سے بیماری ضعف اور تھکاوٹ کے باوجود انتہائی شفقت، محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، عصر کی نماز ادا کرنے کے لیے حضرت داداجان رحمہ اللہ کو گھر سے مسجد جانے کے لیے باہر دروازے تک لے آتا اور دروازے پر طلباء اور خادمین کا مجمع ان کا منتظر ہوتا، حضرت داداجان رحمہ اللہ تمام عمر گھر کی بالائی منزل کے ایک سادہ سے چھوٹے سے کمرہ میں سکونت پذیر رہے، تنگ اور لمبی سیڑھیوں پر دن میں کئی بار اترنا چڑھنا بہت دشوار اور تکلیف دہ ہوتا خاندان کے افراد میں اس وقت آپ کے پاس جو موجود ہوتا وہ سہارا دیکر آپ کو نیچے لے آتے عجز وانکساری کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی اتارنے والا نہ ہوتا تو قصداً گھنٹی بجا کر کسی کو نہ بلواتے یا کسی کو تکلیف نہ دیتے۔

لفٹ لگوانے کی پیشکش سے معذرت کر دی

سیڑھیوں کے اترنے چڑھنے کے حوالے سے یاد آتا ہے کہ حضرت داداجان رحمہ اللہ کے خاص منظور نظر مرید حامد انجینئرنگ ورکس لاہور کے مالک جناب الحاج غلام یٰسین صاحب نے کئی مرتبہ حضرت رحمہ اللہ کو اپنی طرف سے حضرت رحمہ اللہ کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوتے جدید الیکٹرانک لفٹ لگوانے کی سہولت مہیا کرنے کی خواہش کی لیکن حضرت رحمہ اللہ نے ہمیشہ حاجی صاحب کو مسکرا کر ڈھیروں دعائیں دیکر لفٹ لگوانے کی اجازت اس بات پر نہ دی کہ میں اجر اور ثواب میں کمی نہیں لانا چاہتا، نظر کی کمزوری نقاہت اور دوسری شدید بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود خود لوگوں اور مہمانوں سے ملاقات کرنے نیچے تشریف لے آتے، ان سے بڑے چھوٹوں کی الگ الگ خیریت دریافت کرتے اور ان کی تمام باتیں بڑی توجہ سے سنتے اکثر لوگ وظائف اور تعویذات اور دعائیں لینے آتے اور آپ کی محفل بابرکت سے فیوض حاصل کرتے۔

حزم واحتیاط

اگر کوئی اپنی طرف سے کچھ رقم بطور ہدیہ پیش کرتا تو آپ اُسے

فوراً احتیاطی طور پر دارالعلوم حقانیہ میں داخل کرتے کہ کہیں اس شخص نے یہ رقم دارالعلوم کے لیے چندہ نہ دیا ہو اور یادداشت کے لیے اسی نوٹ پر لکھ لیتے تھے۔

مہمان نوازی

آپ بڑے مہمان نواز تھے اگر آپ گھر پر موجود نہ ہوتے تو اشیاء خورد و نوش لاکر بیٹھک میں رکھ دیئے جاتے تاکہ مہمان کچھ کھاتے پیتے بغیر نہ چلا جائے آپ کا حکم تھا کہ میری غیر موجودگی میں مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا لازمی اور ضروری ہے میں جس وقت گھر پر موجود نہ ہوں چاہے میں جس حالت میں بھی ہوں مجھ سے مہمان ملاقات کے لیے آنے والے کسی بھی درجہ کے فرد کو لازماً ملوایا جائے، اللہ اللہ پھر آپ کے ملاقاتی سے ملاقات کا انداز نرالا ہوتا انتہائی عجز و انکساری کا مظاہرہ اور ان کی خاطر و مدارت بھرپور امداد و تعاون فرماتے، سخت بیماری اور ضعف کے باوجود اٹھ کر مصافحہ یا معانقہ فرماتے، رخصتی کے وقت دروازے تک مہمان کے ساتھ جاتے، استاذ محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی نے حضرتؒ کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے۔

سیرت کی ایک جھلک

کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے چاہنے والوں کے مطلوب نہیں طالب تھے محبوب نہیں بلکہ محب تھے مخدوم نہیں خادم تھے مراد نہیں مرید تھے۔

عصر کی مجلسِ شیخؒ

بات عصر کی نماز کے لیے جانے کی ہو رہی تھی مسجد میں پہنچ کر نماز عصر پڑھنے کے بعد نماز مغرب تک مسجد میں بیٹھے رہتے دارالعلوم کے اساتذہ کرام طلباء، امیر و غریب غرض گاؤں کے لوگوں اور باہر کے ہر قسم کے مہمانوں کا مجمع آپ کے گرد مسجد میں چٹائیوں پر آپ کے سامنے جمع رہتا، معتقدین مریدین حضرتؒ کے ہاتھ پاؤں دباتے رہتے جو ضعیف العمری کے باعث انتہائی کمزور مگر نورانیت سے پرکشش تھے اس موقع پر حضرتؒ کی ڈھیروں دعائیں لیا کرتے آپ سے مشکل مذہبی اور علمی مسائل کا حل دریافت کرتے اور عبادت الٰہی کے لیے وظائف تلاش کرتے، علاقہ ملکی اور غیر ملکی مسائل اور سیاسی حالات پر غور اور تبصرے ہوتے، صحبتِ با اہل حق کی یہ بارونق محفل مؤذن کی اذان تک جمی رہتی اور نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد سب لوگ آپ کو گھر تک چھوڑ آتے اور ڈھیر ساری دعاؤں کے ذریعہ اپنی اپنی اقامت گاہوں کی جانب رخصت ہو جاتے۔

اخبار سننے کا معمول

مرحومہ و مغفورہ حضرت دادی جانؒ کا یہ معمول تھا کہ شام کو حضرت دادا جانؒ کے لیے چائے کا بندوبست خود کرتیں آپ شوگر کی وجہ سے چائے پھیکی لیکن بہت تیز پیتے تھے، اس دوران میں ئیں چند اخبارات کی نفاذ شریعت کی تحریک علماء اور طلباء کے متعلق اہم خبروں کی سرخیاں آپ کو سنایا کرتا، میں تیز تیز پڑھتا اور حضرتؒ آرام سے پڑھنے کی تلقین کیا کرتے جہاں سے کوئی غلطی سرزد ہوتی وہاں وہ بغیر اخبار دیکھے تصحیح فرمادیا کرتے۔

اخبار اور اعتدال

خبر سننے کے بعد مسکرا کر تبصرہ کرتے اور مخالف کی بات پر ہمیشہ میانہ روی اور اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرتے جب میں اخبار میں جوابی بیان کا تقاضا کرتا تو مجھے منع فرماتے بعض حالات میں آپ گھر پر پڑے رہنے کے باوجود قدرتی طور پر باہر کے تمام حالات سے باخبر رہتے اور اپنے تفکر و پریشانی یا خیال کا اظہار فرمادیا کرتے۔ اور ہدایات جاری فرماتے۔

خصوصی توجہ اور ہدایات

نماز مغرب کے بعد گھر میں حضرتؒ کو پھر چائے پلانے کے وقت شفیق دادا جانؒ جو میرے پیر استاد مربی بھی ہیں بندۂ ناچیز کی خصوصی اصلاح اور تربیت کے لیے نصیحتیں فرماتے، اپنوں پرایوں محلے داروں اور دیگر لوگوں سے میل جول کا طریقہ اور ہدایات اور اقوال زریں ارشاد فرماتے میری کم عمری، کم علمی، عقل کی کمی اور جذبات پر مبنی حرکات اور بعض واقعات پر میری گرفت فرماتے اور ایسی اداؤں پر ناراض ہو جاتے لیکن حضرت داجی گلؒ کی دریا دلی کی یہ حالت تھی کہ ناراضگی چند ہی لمحوں کے لیے عارضی طور پر ہوتی فوراً منانے کے بعد سمجھاتے ان واقعات کو ذیل میں درج کرتا ہوں

میری تصدیق کے بغیر جاری نہ کرنا

ایک مرتبہ اباجی کی اکوڑہ میں غیر موجودگی میں دادا جان صاحب فراش تھے میں نے نفاذ شریعت کے حوالہ سے صدر مرحوم جنرل ضیاء الحق کے ایک بیان پر حضرت دادا جانؒ کی طرف سے سخت نوعیت کی خبر اخبارات میں خود جاری کرکے چھپوادی تھی اور دوسرے دن خوش و خرم حضرت داجی گلؒ کے پاس پہنچا اور دیگر خبروں کے ہمراہ یہ خبر بھی سنادی جس پر حضرتؒ ناراض ہوئے اور کہا کہ میری تصدیق کے بغیر پھر ایسی خبر جاری نہ کرنا۔

میانہ روی

بیٹا! ہماری سیاست کرنا صرف سیاست کے لیے نہیں ہے، بیٹا! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں میانہ روی کی راہ بتلائی ہے اسی پر چلوگے تو کامیاب ہوگے، صدر مملکت کسی حد تک دیگر حکمرانوں کے مقابلہ میں کہیں بہتر طور سے شریعت اور مذہب کے وقار کے لیے اور

جہادِ افغانستان کے واسطے کام کر رہے ہیں اسی طرح ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں جب ملک بھر میں جلسے جلوس بازار میں چوکوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے گلی کوچوں میں بھی ہو رہے تھے، حضرت داجی گلؒ کا مقابلہ اس وقت کے صوبے کے چیف منسٹر نصر اللہ خان خٹک سے ہو رہا تھا ایک طرف پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو عنانِ حکومت سنبھالے ہوئے انتخاب جیتنے اور بازی لے جانے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کر رہے تھے اور دوسری جانب جمعیۃ علماء اسلام اور اپوزیشن کے قائد حضرت مولانا مفتی محمودؒ حق کا علم ہاتھ میں اٹھائے باطل کے آگے سینہ سپر تھے۔

صبر واستقامت اور بردباری کی تلقین

حضرت داجی گلؒ کی مسجد سے تھوڑا آگے اکوڑہ کے چوک بازار میں پیپلز پارٹی کے امیدوار نصر اللہ خان خٹک جلسہ کرنے کے لیے شان وشوکت سے انتہائی حفاظت میں پہنچے مگر ان کو جلسہ گاہ سے فوراً واپس ہونا ہی بہتر ٹھہرا۔ لہٰذا ہم چند لڑکوں نے بڑے جذباتی نوجوانوں کی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کی مسجد کی چھت پر بازار کی جانب والے چبوترے کے پیچھے سے وزیر اعلیٰ کی گاڑی اور جلوس پر مٹی اور پتھر پھینکے اور فوری طور پر وہاں سے گھر کی جانب بھاگ گئے شام کو پھر داداجانؒ کی گلی کے چوک میں کونسل کا جلسہ اور جلوس منعقد ہوا میرے ذمہ تقریر آئی، بچپنا تھا میں نے اپنی تقریر میں بھٹو مرحوم اور پی پی پی کے لیڈروں کے خلاف برا بھلا کہنا شروع کیا اس واقعہ کے وقت میری عمر تقریباً ۱۲، ۱۳ برس ہوگی کہ اچانک چند غنڈہ نما چھوٹے اور بڑے لڑکے پی پی پی کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے ہمارا جلسہ خراب کرنے پہنچ گئے مجھے سخت غصہ تو پہلے ہی تھا کہ اتنے میں ایک نوجوان نے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو گالی دی میں غصہ میں جھنجھلاتا ہوا بھاگ کر گھر داخل ہوا اور کچن سے چھری اٹھا کر باہر مجمع میں پہنچ گیا میں نے انتہائی غصہ کی حالت میں اس نوجوان پر وار کرنا چاہا کہ دیگر افراد نے پیچھے سے ہاتھ پکڑ کر روک دیا، بہرحال خیریت ہی ہوئی کہ جلسہ سے دیگر افراد نے ان لڑکوں کو چلتا بنایا۔ رات کو حضرت داجیؒ نے دن کے دونوں واقعات پر سختی سے ناراضگی کا اظہار کیا اور سمجھایا کہ جذبات سے بیٹا ہرگز کام نہ لو انہوں نے نے ہمیشہ بردباری صبر اور استقامت کی تاکید کی چنانچہ میں نے حضرتؒ سے معذرت کرکے معافی مانگ لی جس پر مسکرا کر گلے لگا کر انہوں نے پیار کیا یہ واقعہ ذہن پر آج تک نقش ہے۔

خدا غرور اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا

حضرتؒ نے ہمیشہ خاندان کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے خاندان کے تمام افراد اور خصوصاً مجھے نصیحت اور تاکید کی کہ کسی حال پر غرور اور تکبر ہرگز نہ کرنا، خدا غرور و تکبر اور ناشکری کو قطعاً پسند نہیں فرماتے۔ بیٹا!

ہم کچھ بھی نہیں، ہم دین کے علم کی تحصیل کرنے والے ادنیٰ طالب علم اور دین حق کے ادنیٰ خادم ہیں وقت اور سلیقہ مندی احتیاطی تدابیر اور حصول علم اور تحصیل تعلیم پر توجہ مرکوز رکھنے کی بار بار تلقین فرماتے اور ساتھ ہی کہتے کہ ہماری یہ ساری برکتیں اللہ کے دین اور علم کی وجہ سے ہیں اس کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، یہ دنیا عارضی ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کو لازماً اختیار کرو اسی طرح حضرت داجی گلؒ کی زبان مبارک سے ہمیشہ ہمارے لیے خلوص قلب سے مغفرت حصول علم اور ترقی کے لیے دعائیں جاری و ساری رہیں۔

وقت عظیم نعمت ہے

ایک مرتبہ میں نے اپنے آٹو گراف بک کو ان کے آگے بڑھا دیا تاکہ حضرتؒ کے خود اپنے ہاتھ سے تحریر میرے لیے باعثِ فخر و سعادت بنے جس پر انہوں نے بسم اللہ کے بعد یہ تحریر اپنے قلم و دست مبارک سے ثبت فرمائی "وقت نعمتِ عظیم ہے اس کی قدر کرنی چاہئے علم دین کے حصول میں کوشش کریں علم و عمل میں برکت ہو" اور آخر میں اپنا نام مبارک لکھا۔

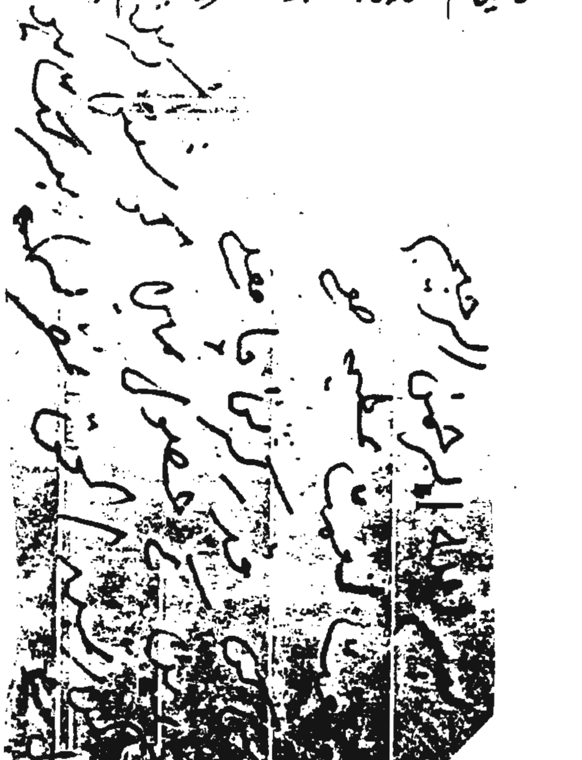

کمال صبر وتحمل اور ایک کرامت

ہماری چھوٹی گاڑی (سوزوکی کار) میں حضرت میرے ساتھ کبھی کبھی گھر سے دارالعلوم اور دارالعلوم سے گھر تک آجایا کرتے تھے (جو بازار میں رش اور گلی تنگ ہونے کے باوجود آسانی سے آجا سکتی تھی) دن ساڑھے نو بجے

پڑھائی کے وقفہ کے دوران میں اور میرے دوست حافظ احتشام الحق حضرت رح کو گھر سے دارالعلوم لانے کے لیے پہنچے مجھے خدشہ تھا کہ پٹرول کم ہے گاڑی خدانخواستہ راستے میں کہیں بند نہ ہو جائے لیکن حضرت رح کے لیٹ ہو جانے کے ڈر سے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ کہیں حضرت رح بروقت نہ پہنچنے پر ناراض نہ ہو جائیں، پٹرول حضرت کو دارالعلوم پہنچانے کے بعد ڈلوا دیں گے، حضرت رح کو گھر سے گاڑی میں بٹھایا م ہی ہوا جس کا ڈر تھا جیسے ہی بازار کے وسط میں پہنچا گاڑی ایک جھٹکے سے بند ہو گئی شرم کے مارے حضرت رح کو بتا نہیں سکتا تھا۔ شاہی نے جرأت کر کے کہہ دیا کہ حضرت پٹرول ختم ہو گیا۔ حضرت رح نے ناراضگی کا اظہار کر دیا کہ بروقت تیاری کر کے کیوں نہیں آتے اب میں انتہائی پریشان تھا یا اللہ کیا ماجرا ہو گیا اب بیچ بازار حضرت رح کو انتظار کرواتا یا کرایہ کی ٹیکسی بلوانا یہ بڑی دیر ہو جائے گی کہ اسی لمحے اللہ نے لاج رکھی اور ایک کار فوراً ہمارے پاس آکر رکی گاڑی سے جناب قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی کے بھائی ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب اترے اور حضرت سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا کہ حضرت میں آپ سے ملنے آرہا تھا میں نے فوراً قاضی صاحب کو بتایا کہ جناب ہماری گاڑی پٹرول کی وجہ سے بند ہو گئی حضرت رح کو آپ دارالعلوم لے جائیں لہٰذا حضرت رح کو بھی اطمینان ہوا اور میری پریشانی بھی رفع ہو گئی میں نے اس دوران پٹرول منگوا لیا اور گاڑی دارالعلوم پہنچا دی تو حضرت نے درس حدیث کے بعد مجھے دفتر میں بلوا کر پوچھا بیٹا تم ناراض تو نہیں ہوتے میری وجہ سے تمہیں تکلیف اٹھانا پڑی آئندہ احتیاط کر لیا کرو۔ ان کی اس ادا، نظر کرم اور شفقت اور الٹا حضرت رح اپنے دارالعلوم گاڑی پر آنے کی وجہ سے میرے پٹرول لانے کی زحمت پر مجھ ہی سے معذرت کر رہے تھے، اللہ اللہ یہ ادا اور یہ دریا دلی ہم لوگوں کا سر شرم سے جھک گیا۔

دارالعلوم کی کتاب امانت ہے خود ذاتی کتاب لے لو

اس طرح کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آتا ہے کہ مغرب کے بعد گھر میں ایک مرتبہ حضرت داجی گل رح نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رح کی کتاب آپ بیتی کے بارے میں میرے ساتھ کچھ ذکر کیا میں جلدی سے بول پڑا کہ حضرت وہ کتاب میرے مطالعہ میں ہے چونکہ دارالعلوم کے کتب خانہ کی ہے تو حضرت نے فرمایا کہ بیٹا! دارالعلوم کی چیزیں ہمارے پاس امانت ہوتی ہیں اور یہ چیزیں وقف ہیں اور وقف پر کسی کا ذاتی حق نہیں ہوتا اس کی حفاظت کرو اور کوشش کرو کہ خود بازار سے ذاتی کتاب لے لیا کرو، دارالعلوم کی کتاب اور ادنیٰ سی چیز کا خیال رکھنا بھی عنداللہ ہماری ذمہ داری ہے۔

اکوڑہ میں کتب خانوں کے اضافہ پر مسرت کا اظہار

اس ضمن میں پورے دارالعلوم کے منتظمین ناظمین کے حالات اور کارکردگی اور طلباء کے رہن سہن کے بارے میں بھی دریافت کر لیتے تھے خصوصاً اکوڑہ میں کتب خانوں کے بڑھ جانے پر بہت خوش ہوتے کہ اکوڑہ اور باہر کے لوگوں کی اس میں علمی دلچسپی بڑھنے لگی ہے اور فرمایا کہ بیٹا! دیوبند کی گلی گلی میں کتب خانے قائم ہیں۔

"آپ بیتی" خرید کر مرحمت فرمائی

دوسرے دن حضرت رح نے مہربانی فرماتے ہوئے خود ہی "آپ بیتی" جامعہ کے اساتذہ کے کتب خانے "دارالکتب العلمیۃ" سے قیمتاً منگوا کر دی اور اس پر اپنے دستخط بھی رقم فرمائے اور دعائیہ کلمات بھی لکھے۔

ذاتی یادداشت

میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت آپ خود اپنی یادداشت کیوں نہیں لکھوا لیتے تو حضرت مسکرا کر فرمانے لگے بیٹا! اب وقت بھی نہیں اور صحت اور نظر بھی کمزور پڑ چکی ہے میں نے مجبور کیا کہ حضرت! آپ بولیں اور مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب لکھیں گے تو ناراض ہو کر بولے کہ بیٹا! مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب اور بہت سے علمی کام کر رہے ہیں میں ان پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا بعد میں اللہ کو منظور ہوا تو آہستہ آہستہ خود ہی حالات رقم ہو جائیں گے[1]

ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

اسی دن میں نے ایک اور گزارش یہ کی کہ حضرت داجی گل! میں نے سنا ہے کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں منطق کے بہت بڑے ماہر استاد تھے مجھے خود ایک کتاب پڑھانا شروع کروا دیں، حضرت نے مسکرا کر کہا کہ بیٹا! میں اب ضعیف ہوں احادیث کا اتنا کام ہے کہ میرا سارا وقت اس میں صرف ہوتا ہے لہٰذا میں تمہیں نہیں پڑھا سکتا کسی اور استاد کو کہہ دوں گا کہ وہ تمہیں پڑھا دیں میں نے بچوں جیسے ضد کی لیکن حضرت نہ مانے شام کو اتفاقاً مہمانوں کی وجہ سے حضرت کے سلام کے لیے بڑے گھر یعنی حضرت کے پاس ملنے نہ جا سکا کہ مشفق اور مہربان دادا جان نے مغرب کے بعد حضرت کی خدمت پر مامور ہونے والی چھوٹی پھوپھی (اہلیہ حافظ ہدایت الرحمٰن) کے ذریعہ فون پر خیریت دریافت کی اور پوچھا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ کیا ہم سے ناراض ہو جو آج ملنے نہیں آتے

---

[1] حضرت کا ارشاد بحمد للہ بعد "الحق کے خصوصی نمبر" "صحبتے با اہل حق" اور تذکرہ و سوانح کی شکل میں پورا ہوا۔

میں نے پھوپھی جان کو بتایا کہ میں ہرگز ناراض نہیں ہوں کسی کام کی وجہ سے آج نہ آسکا تو حضرت نے حکم دیا کہ اس سے کہو منطق کی کتاب لے کر ابھی آجاؤ میں خوشی خوشی حضرت کے پاس پہنچا تو حضرت نے مسکرا کر استقبال کیا۔

ع این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور مجھے اسی لمحہ اپنی قسمت پر رشک ہونے لگا کہ بڑے پوتے ہونے کے ناطے ہم بھی کسی ولی کامل کی نظر کے سامنے ہیں ہیں۔

ع ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

احساس ندامت

افتخار اور خوشی کے ساتھ ہی مجھے ایک لمحے کے لیے احساس ہوا کہ مجھ جیسے گنہگار اور حقیر لڑکے کی حضرتؒ کے دل میں اتنی جگہ ہے کہ وہ ہماری خبر گیری کرتے ہیں اور ہم ان کی ٹھیک طرح پابندی سے خیریت بھی دریافت نہیں کر سکتے اللہ ہمیں معاف فرماویں، (آمین) فوراً میں نے حضرتؒ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور مصافحہ کیا حضرت نے شفقت سے سر اور رخساروں پر ہاتھ پھیرا میں نے فوراً بر وقت نہ آسکنے کا عذر بیان کیا اور قطعاً ناراض نہ ہونے کا ان کو یقین دلایا، ہمیشہ کی طرح حضرتؒ نے اباجی، امی جان بہن بھائیوں کی خیریت دریافت کی۔

الحاج کرم الٰہی مرحوم

ان دنوں امی جان کی طبیعت خراب تھی تو حضرتؒ بے تابی سے تفصیلاً ان کی صحت کے بارے میں دریافت کرتے امی جان سے خصوصی محبت اور تعلق کی دوسری بڑی وجہ امی جان کے والد صاحب الحاج میاں کرم الٰہی صاحب مرحوم کی شخصیت بھی تھی جو پشاور کے بہت بڑے رئیس تاجر اور خاندان کے سرپرست تھے امی جان کا رشتہ طے پایا بھی ناناجی اور داداجی کی باہمی اخوت محبت اور اخلاص کی وجہ سے ہوا تھا حضرتؒ اب بھی مجھ سے پشاور کے ماموؤں اور خاندان کے فرداً فرداً شخص کی خیریت پوچھتے تھے اور خاندان کے دیگر لوگوں کی خیریت اور ان کا احوال پوچھنے کبھی کبھار جانے کی تلقین کی۔

مولانا سمیع الحق منزل کی جانب رواں دواں

اباجی کے سیاسی حالات اور موجودہ پروگرام کی تفصیل معلوم کی جسے میں ہمیشہ پوری تفصیل سے بیان کرتا وہ بڑی دلچسپی اور خوشی سے سنتے اور مسکرا کر فرماتے کہ (سمیع الحق) واقعی بڑا اسلامی سیاست کا ماہر قائد بنتا جارہا ہے اور درست طریقہ پر منزل کی جانب میری ہدایات کی روشنی میں گامزن ہے اللہ اس کو اپنے حفظ وامان میں رکھیں اور خدا اس کی حفاظت کرے

بیٹا! مجھے بہت فکر ہے کہ اس کے حاسد بہت زیادہ ہیں لیکن وہ ایک دن ضرور کامیاب ہوگا۔

نفاذ شریعت کی جدوجہد

پھر علاقہ اور لوگوں کی رائے اور ان سے مسائل متفرقہ کے بارے میں دریافت کرتے اور فرماتے کہ بیٹا لوگوں کو تسلی دیا کریں کہ ہم آپ کے دنیاوی کاموں کی طاقت تو نہیں رکھتے لیکن نظام شریعت کے نفاذ کے لیے آخر دم تک جدوجہد کریں گے ایک دن خدا ضرور تمہاری محنت کی قدر کریں گے، پاکستان اور عالم اسلام اور دنیا پر اسلام کا پرچم لہرائے گا۔

علم منطق کی بسم اللہ

پھر کہا کہ کتاب کھولو میں صرف بسم اللہ اور خطبہ پڑھا دیتا ہوں یہ تیرے لیے کافی ہوگا باقی فلاں استاد صاحب سے پڑھ لو میں نے فوراً سر تسلیم خم کیا اس موقعہ پر ساتھ کھڑی پھوپھی جان اور ساتھ بیٹھے ہوئے پھوپھا جان احتشام الحق حقانی نے مجھے مبارکباد دی اور بسم اللہ حضرت کی طرف سے ہو جانے پر انتہائی خوشی تھی، لہٰذا بعد میں میں نے اجازت چاہی تو حضرت نے اجازت دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بیٹا اباجی والدہ سب کو سلام کہدیں سلام میں کنجوسی مت کیا کرو تمہیں اجازت ہے کہ میری طرف سے ہر فرد کو میری دعا اور سلام از خود پہنچا دیا کرو ان کی غمی وخوشی میں میری جانب سے شرکت کر لیا کرو اس سے ایک دوسرے کے دلوں میں محبت بڑھتی ہے اور نبی کی سنت زندہ ہوتی ہے۔

رعب اور عظمت شان

حضرت اقدسؒ کی عظمت ومرتبت صبر وتحمل اور بردباری کے بارے میں نظروں کے سامنے بہت سے واقعات گھوم رہے ہیں جیسے کل کے واقعات ہوں، ۱۹۷۵ء میں اتفاقاً میں بھی حضرت داداجانؒ اور والد صاحب کے ہمراہ قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی دیکھنے گیا ہوا تھا مجھے معلوم نہیں تھا کہ آج کی اسمبلی کی کارروائی کل پاکستانی سیاست اور پارلیمانی تاریخ کا سیاہ باب بن کر رقم ہوگی یہ وہ دن تھا کہ جس دن پاکستان قومی اتحاد کے ممبران اسمبلی اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے حکم پر زبردستی اسمبلی سے اٹھا کر باہر پھینک دیے گئے میں نے اپنی آنکھوں سے پولیس اور فورس کے ورکر معزز ممبران اسمبلی کے اور بڑے بڑے علماء کے دست وگریبان دیکھے تھے وہ کسی کی توہین و ذلت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے اور جناب چودھری ظہور الٰہی شہید کی ٹانگ پر زخم آنے تک کا مجھے یاد ہے، حضرت مفتی صاحب مرحوم کو بھی ایک درجن غنڈے ہاتھوں سے پکڑے ہوئے وہاں سے نکال دینے

کے بعد استقبالیہ کے دفتر کی طرف اُترنے والی الیکٹرانک سیڑھیوں سے اسمبلی بلڈنگ سے باہر لے جا رہے تھے لیکن تمام ہال میں سارے جھگڑے میں ایک شخصیت ایسی بھی جو بڑے باوقار انداز سے پریشان اور مرجھاتی ہوئی کھڑی تھی لیکن ان کی عظمت و مرتبت اور دبدبے کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ اٹھانے کے لیے قدم بڑھاتے

ع تیری نگاہ سے پتھر کے دل پگھل جائیں

یہ شخصیت حضرت قائد شریعت دا دا جانؒ کی تھی جن کی روحانی اور ایمانی طاقت کے سامنے بھٹو حکومت بھی بے بس تھی بعد میں معلوم ہوا کہ سپیکر اور وزیر اعظم وغیرہ ہی نے باہمی مشورہ سے ہدایت کی تھی کہ حضرت مولانا سے کوئی گستاخی نہ کی جائے۔

غلط زبان نہ استعمال کی جائے

۱۹۸۶ء میں متحدہ شریعت محاذ کے پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر شریعت بل کے حق میں مسلمانان پاکستان کے عظیم الشان مظاہرے کی قیادت آپؒ فرما رہے تھے مشتعل مظاہرین میں سے بعض افراد نازیبا قسم کے نعرے لگا رہے تھے میں بھی آپ کے ساتھ گاڑی میں سوار تھا۔ گاڑی الحاج ممتاز علی خان صاحب آف شیدو چلا رہے تھے میں گاڑی کے دروازہ کے راستہ شیشے سے ہاتھ باہر نکال کر شریعت بل کی منظوری کے مطالبے کا کتبہ ہاتھ میں لیے لہرا رہا تھا۔ آپؒ خود بھی اور ہمیں کہہ کر لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے رہے کہ ہمارا کام نفاذ شریعت کے مطالبہ کے لیے جدوجہد کرنا ہے کسی کے خلاف غلط زبان استعمال کرنے سے مقصد حل نہیں ہوتا۔ جلوس تھوڑا آگے گیا تھا کہ صدر مملکت جنرل ضیاء الحق مرحوم کی گاڑیوں کے کارواں کو دیکھ کر لوگ مزید اشتعال میں آگئے اور گاڑیوں پر ڈنڈے برسانا اور حملے کرنا شروع کر دیئے حضرتؒ نے لوگوں کے اس فعل کو غیر اخلاقی قرار دے کر منع کیا۔ حضرت نے مظاہرین کو حوصلہ سے کام لینے کی بار بار تلقین کی واپسی میں آتے ہوئے حضرت نے لوگوں کی اس حرکت پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

صدر ضیاء الحق ملاقات کیلئے حاضر ہوئے

مظاہرے کے دوسرے دن صبح سویرے صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم گورنمنٹ ہاسٹل میں آپ کے پاس حاضر خدمت ہوئے۔ یہ تھی آپ کی عظمت و مرتبت، صبر و تحمل اور بردباری کا نتیجہ تھا جہاں پر آپؒ سے ملک میں شریعت کے نفاذ کا وعدہ اور تکمیل کی یقین دہانی کروائی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بحیثیت دادا جان کی محبت پیار و شفقت کے بارے میں ایک اور واقعہ ذہن میں ہے۔

جشن صد سالہ دار العلوم دیوبند کیلئے سفر

جشن صد سالہ دار العلوم دیوبند کے سلسلہ میں حضرتؒ کے ساتھ ہندوستان کے سفر پر جانا نصیب ہوا میرے اور چھوٹے بھائی حافظ راشد الحق کے نام والد صاحب نے حضرت دادا جانؒ کے پاسپورٹ میں درج کر لیے تھے۔ دیوبند کی زیارت اور تقریبات سے فارغ ہو کر دارالخلافہ دہلی کے لیے روانہ ہوتے سفر کے دوران مجھے والد صاحب نے جگہ کی تنگی کی وجہ سے اپنے متعلقین کی گاڑی میں بٹھا دیا تھا۔ اور ان سے کہا کہ آپ سفر کے دوران ہمارے ساتھ ساتھ چلیں۔ رات کا وقت تھا موٹر گاڑیاں آگے پیچھے ہو گئیں۔ حضرت دادا جانؒ اور والد صاحب دہلی میں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور ہماری کار راستہ میں بھٹک گئی اب ہمیں حضرتؒ وغیرہ کے قیام کی جگہ کا علم نہ تھا، چنانچہ ساتھیوں کے فیصلہ پر رات کہیں اور جگہ گزاری ادھر جب دہلی میں والد صاحب اور دادا جانؒ کو ہمارے گم ہو جانے کا جب علم ہوا تو والد صاحب اور دادا جانؒ کو تو پوری رات پریشانی میں گزارنا پڑی۔ حتیٰ کہ دادا جان کی پوری رات پریشانی اور جاگنے میں بسر ہوئی۔ شوگر کی بیماری اور پریشان حالی میں بے آرامی کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ میں زخم بھی آگیا تھا پوری رات خیریت سے مل جانے کی دعائیں کرتے رہے۔

صبح ہم تلاش اور معلومات کے بعد جیسے ہی حضرت دادا جانؒ کے پاس پہنچے تو نہایت جذباتی انداز سے مجھے پیار کیا اور گلے لگا کر کہا کہ میں رات بھر پریشانی کی وجہ سے سو نہ سکا کہ غیر مسلم اور ہندو قوم میں میرا بیٹا کہاں گم ہو گیا ہے اور پتہ نہیں کہ اب مل سکے گا یا نہیں اس کے بعد انہوں نے سکون کا اظہار کیا اور کچھ دیر آرام کیا۔

جے ٹی آئی سرحد کے کنونشن میں شرکت

ایک مرتبہ جمعیۃ طلباء اسلام سرحد کا صوبائی کنونشن ہم نے جامعہ اشرفیہ پشاور شہر میں مقرر کیا میں اور میرے مخلص ساتھی مولانا محمد یوسف شاہ جی مولانا مرحم اللہ فاروقی، حافظ احتشام الحق، مولانا عطاء اللہ رحمانی، حضرت کے پاس عصر کے وقت مسجد شیخ الحدیثؒ میں ملاقات کرنے گئے ہم نے حضرت دادا جانؒ کو تنظیم کی سرپرستی کرنے اور کنونشن میں شمولیت کی دعوت دی ان دنوں حضرت دادا جانؒ بیمار بھی رہتے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے شرکت سے معذرت ظاہر کی جس پر میں نے صبح و شام ان کو ہر حالت میں شرکت کرنے پر مجبور کر دیا میرے اصرار پر حضرت نے نہ صرف بخوشی آنے کی دعوت قبول کی بلکہ بطور امداد و سرپرستی کے کنونشن کے اخراجات کے لیے ۵۰۰ روپے بھی عطا فرمائے اور ٹھیک کنونشن کے دن مقررہ وقت حضرت دادا جانؒ شرکت کے لیے اکوڑہ خٹک سے حضرت کا تز: مولانا اشرف علی قریشی رکن اسلامی نظریاتی کونسل کے جامعہ اشرفیہ پشاور پہنچے اور نوجوانانِ اسلام سے مفصل خطاب فرمایا اور ڈھیروں دعائیں دیں آتے ہوئے مجھ سے ملے اور مسکرا کر فرمایا کہ تم تو لیڈر بنتے جا رہے ہو، اتنے طلباء کا مجمع اکٹھا کیا یہ تمہارے ساتھیوں اور تمہاری محنت کا صلہ تھا،

کہ جلسہ انتہائی کامیاب ثابت ہوا، اس کے اثرات انشاء اللہ دور رس ہوں گے میں نے تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کیا اب تو تم خوش ہو اور مسکراتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوگئے۔

بے انتہا شفقتیں

ان کی شفقت و محبت کے بارے میں کیا لکھوں انہوں نے شفقتوں کی انتہا کر دی تھی جس دن میں ملاقات کرنے نہ جاتا فوراً شام کو فون پر یا نماز عصر کے وقت مسجد میں کسی سے خیریت دریافت کر لیتے اور ملنے کو کہتے۔ جس پر میں فوراً پہنچ جاتا پوچھتے، آج تم ملنے کیوں نہیں آئے کیوں ہم سے پھر ناراض ہو اس قدر شفقت اور محبت کرنے اور اس طرح کے سوال پوچھنے پر اس حقیر طالب علم اور گنہگار کا سر شرم سے جھک جایا کرتا تھا اور اپنی غفلت اور کوتاہی پر سخت غصہ آتا۔

شیخ الحدیثؒ کے ایام رمضان المبارک

رمضان المبارک میں ان کی عجز و انکساری تقویٰ اور عبادت ذکر و اذکار آہ و زاری عروج کو پہنچ جایا کرتی تھی، رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہونے والا ہے حضرت دادا جانؒ کی ایک ایک ادا عجب یاد آجاتی ہے تو دل تڑپ اٹھتا ہے پوری پوری رات خوف خدا سے جاگتے رہتے سحری کے وقت حالات دیکھنے کے لائق ہوتے تھے مولانا حقانی نے خوب لکھا کہ

ع ہم نے دیکھا تھا ایک فنا فی اللہ

صحن میں سامنے دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے تخت پر بیٹھے کھڑے کبھی سجدہ میں گڑگڑا کر، کبھی رکوع، کبھی قیام میں اپنے خالق حقیقی اور محبوب کے سامنے رو رو کے بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر بلک بلک کے آہ و زاری کرتے اور رب کے لیے دعائیں مانگتے استغفار، لا الہ الا اللہ کے ورد میں ان کا عجیب قسم کا ترنم، وجد اور مزہ ہوتا۔

میں نے بچپن میں اور پھر بڑے ہو کر کئی مرتبہ ان کی اس آہ و زاری اور عبادت اور ذکر کی کیسٹ چھپ کر ریکارڈ کی میں دعا پر خود بھی آہستہ سے آمین کہتا وہ کیسٹیں آج بھی محفوظ ہیں یہ دیکھ کر ہمیں ان کی حالت پر رحم اور ترس آجاتا اور ہم گنہگاروں اور سنگدلوں کے دل بھی نرم پڑ جاتے پھر اکثر گھر میں افطار پر سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کر والیتے اور خشوع و خضوع سے گڑگڑا کر باآواز بلند دعائیں مانگتے۔

افطاری کے وقت

اذان کے ہوتے ہی خاندان کے افراد کو فرداً فرداً کھانے کی چیزیں ہاتھ میں اٹھا اٹھا کر دیتے اور خود کھانے کے بجائے دوسروں کو بار بار کھانے کی تلقین کرتے۔

تراویح میں قرآن سننے کا اہتمام

آپ نے نماز تراویح میں تمام عمر قرآن سنا میرے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک چچا جان حافظ مولانا انوار الحق صاحب قرآن سنایا کرتے اس سے قبل جناب حافظ سید نور بادشاہ رکن دارالعلوم [illegible] طویل عرصہ یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ نماز تراویح کے اختتام پر آپ دعا کے انداز میں رمضان المبارک کے بارے میں نصیحت آموز درس دیا کرتے جو رمضان کی برکتوں اور فضیلتوں سے مختلف طریقوں سے فیض یاب ہونے کی نصیحتوں پہ مبنی ہوا کرتا تھا۔

دارالعلوم کے ناظم مولانا سلطان محمود مرحوم

ہمارے دارالعلوم کے مکان میں شفٹ ہو جانے کے بعد سے میں معمول کے مطابق رمضان المبارک میں دارالعلوم کے ناظم اول ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سلطان محمود صاحب مرحوم و مغفور کے ہمراہ تراویح پڑھنے رات کو دارالعلوم سے جایا کرتا تھا۔ ان کے بیمار پڑ جانے پر حضرت سخت پریشان تھے مجھے اچھی طرح سے آپ کی بیمار پرسی کرنے کی ہدایت کرتے اور اپنی طرف سے بھی خیریت دریافت کرتے، وقتاً فوقتاً ان کے پاس بھیجتے تھے مولانا سلطان محمودؒ کے انتقال کے بعد پھر چند ساتھیوں سمیت حضرتؒ کی زندگی میں تراویح پڑھنے وہاں جایا کرتا جو کہ میری زندگی کے حسین اور یادگار لمحات تھے جو میرے ذہن کے دریچوں سے کبھی بھی خارج نہیں ہو سکتے۔

جامع مسجد دارالعلوم میں اعتکاف کرنے کا حکم

حضرت شیخ الحدیثؒ نے وفات سے قبل کے رمضان المبارک میں مجھے اور چند ساتھیوں کو اعتکاف پر بیٹھنے کا حکم دیا چنانچہ ڈھیروں وظائف اور تسلی دے کر دارالعلوم کی جامع مسجد میں معتکف ہونے کے لیے بھیج دیا ان کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ روزانہ گھر سے کسی نہ کسی فرد کو خیریت دریافت کرنے اور تسلی دلوانے بھیج دیتے۔

حافظ راشد الحق کے تراویح میں ختم القرآن کی تقریب

پھر اس مسجد میں عزیز بھائی حافظ راشد الحق کا پہلا ختم قرآن تراویح میں ہونا تھا اس موقع پر ابا جی عمرہ کے لیے سعودی عرب تشریف لے گئے تھے بذات خود رات کے وقت حضرت تشریف لاتے اور ملا عبدالقیوم حقانی کی تقریر کے بعد رمضان کا آخری مفصل خطاب فرمایا بعد میں مجھ سے فرمانے لگے کہ میری کئی مرتبہ خواہش ہوئی کہ میں خود تمہارے پاس مسجد میں ملنے آؤں لیکن اللہ تعالیٰ کو آج کے دن ملنا منظور تھا اور میرے معتکف ہونے اور راشد الحق کے ختم قرآن پر نہایت خوشی کا اظہار کرکے بار بار دعائیں فرماتے رہے

اس سے پہلے آپؒ کی مسجد میں معمول کے مطابق چچا جان کے ختم قرآن کے بعد آپ نے خطاب میں فرمایا تھا کہ شاید رمضان میں پھر اس مبارک اگلے ختم کی تقریب میں حصہ لینے کا موقع میسر آتا ہے یا نہیں ؟

اب وہ سماں کہاں !

حضرتؒ کے انتقال کے بعد پہلی ختم قرآن کی بارونق باوقار تقریب منعقد ہوئی لیکن افسوس حضرت شیخ الحدیثؒ کی مسند خالی پڑی ہوئی تھی جس محفل میں حضرت کی موجودگی کی وجہ سے ایک سماں بندھا رہتا تھا وہ سماں اور رونق اس محفل میں نہ تھی مقررین حضرتؒ کی جدائی کا ذکر کرتے تو کلیجہ منہ کو آتا مجھے ہر آنکھ پرنم نظر آتی، دلوں پر اداسی چھائی ہوئی تھی یہ اللہ کی شان ہے کہ آج اس مجلس میں پچھلے دنوں دارالعلوم میں بخاری شریف کے افتتاح کی مجلس حضرت شیخ الحدیثؒ کے رحلت کر جانے کے باوجود زیادہ لوگوں کے جوش و خروش سے بھری پڑی تھی صرف ایک کمی تھی تو گلستان کے مالی کی جنہوں نے اپنے خون آنسوؤں اور پسینہ سے اس گلستان کو سجایا تھا۔

خیبر ہسپتال پشاور میں

میری دادا جان سے آخری ملاقاتیں اور محفلیں خیبر ہسپتال پشاور میں ہوتی رہیں، میں اپنے والد صاحب اور دیگر خاندان کے افراد کے ساتھ اس سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے جیسے ہی وطن پہنچا تو یہ افسوسناک خبر کراچی میں سنی کہ پیارے دادا جانؒ شدید علالت کی وجہ سے پشاور ہسپتال میں داخل ہیں، میں ایام حج کے دوران حضرت شیخ الحدیثؒ کے بارے میں عجیب قسم کے افسردہ خواب دیکھا کرتا تھا۔ لہٰذا جلدی ہم کراچی سے پشاور ایئرپورٹ پر پہنچے جہاں پر اباجی دیگر رشتہ داروں کے ہمراہ ہمیں سیدھا ہسپتال لے گئے، دادا جانؒ نے ہم سب کو باری باری گلے سے لگایا اور باوجود سخت بیماری کے کھڑے ہو کر ہم سے معانقہ کیا اور اتنا زیادہ پیار کیا کہ شاید اس سے پہلے کبھی نہ کیا ہو۔ حج کے حالات اور خیریت دریافت کرتے رہے پھر اس موقع پر حضرت دادا جانؒ کی شفقت اور محبت کے عجیب مظاہر دیکھے حج سے آئے ہوئے خاندان کے باقی افراد کو ملے اور پیار دینے کے بعد اباجی کی طرف متوجہ ہوئے۔

اباجی سے گفتگو

اور فرمایا کہ بیٹا تم بڑے خوش قسمت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاندان کے بچے بچے کو حج کرادیا اور عمروں کی نعمت سے سرفراز فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کیا کرو اور پھر اچانک اباجی سے ہمیشہ والے تکلف اور جھجک اور فرق مراتب ان کو اپنے قریب بٹھا کر اباجی کے چہرے کے کئی بوسے لیے اور بے حد پیار کیا یہ انتہائی جذباتی اور رقت انگیز منظر تھا ہم سب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے پھر انتہائی جذباتی اور محبت بھرے لہجے میں ان سے مخاطب ہوتے کہ بیٹا میں تم سے بہت خوش اور راضی ہوں تم نے مجھے خوش کر دیا ہے میں نے زندگی میں دارالعلوم اور ملک کے مسائل کے جو اہداف اپنے سامنے رکھے تھے تو تم نے اس کو خوش اسلوبی سے باحسن طریقہ پورا کرنے کی حتی الوسع کوشش کی، اباجی اس موقع پر نہایت افسردہ اور سر جھکائے ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ حضرتؒ کے چارپائی میں دائیں جانب ان کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

اس موقع پر خاندان کے دیگر افراد کے علاوہ تینوں چچا صاحبان، پروفیسر محمود الحق حقانی حال ایجوکیشن کونسلر جدہ سعودی عرب، مولانا انوار الحق صاحب، الحاج اظہار الحق صاحب بھی موجود تھے۔ پھر ہمیں حضرت کا حکم ملا کہ اکوڑہ خٹک میں سب چھوٹے بڑے آپ لوگوں کے استقبال کے منتظر ہیں تم لوگ (سمیع الحق) کے ساتھ چلے جاؤ۔

کچھ ہونے والا ہے

راستہ میں اباجی ہمیں اور سب سے چھوٹی پھوپھی جان کے شوہر جناب ڈاکٹر سید داؤد گیلانی سے نہایت دکھ اور غمگین بھرے لہجے میں کہنے لگے کہ شاید ایسا لگتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے ورنہ حضرت داجی گلؒ نے مجھ سے کبھی اتنا بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی اور نہ کبھی ایسی باتیں اور اشارات کیے۔

اس کے بعد تقریباً پندرہ بیس دن مجھے حضرتؒ کی خدمت کے آخری مواقع ملتے رہے ہسپتال میں جو باتیں اور واقعات ان ایام میں پیش آتے رہے وہ ایک الگ حضرت کی زندگی کا نچوڑ اور الگ داستان بن سکتی ہے۔

حضرتؒ کے آخری ایام کے بعض واقعات

مختصراً حضرتؒ کے آخری ایام کا میرے ساتھ پیش آئے ہوئے واقعات قلم کے سپرد کرتا ہوں، پانچ ستمبر کو حضرت شیخ الحدیثؒ کی تیمارداری کے دوران میں دارالعلوم ایک دو دن کے ارادے سے چلا آیا تھا کہ حضرتؒ کے ساتھ لوگوں بھی افراد زیادہ ہو گئے ہیں اور ہسپتال میں سب کی گنجائش بیک وقت ممکن نہ تھی۔ بہرحال دعائیں دل اور زبان پر حضرتؒ کی صحت کے لیے جاری و ساری رہتی۔

مولانا میاں عصمت شاہ کا فون

۶ ستمبر کو عصر کے وقت جناب مولانا میاں عصمت شاہ کاکاخیل نے پشاور میں اپنے گھر سے ہمیں فون کیا کہ ادھر میں نے کہا کہ ایک میٹنگ میں شرکت کے لیے گئے ہوئے ہیں رات تک واپس ہو جائیں گے ـــــ

میاں صاحب نے بتایا کہ حضرت کی طبیعت بہت خراب ہے بیٹا تم بھی ہسپتال چلے آؤ، یہ سنتا تھا کہ دل تڑپ اٹھا اور روح بے چین ہوگئی مجھ سے صبر نہ ہو سکا عصر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے ساتھ مسجد سے گھر میں چائے پینے میرے دوست عطاء الحق حقانی اور احتشام الحق شامی چلے آئے تھے۔

اللہ نے بال بال بچا لیا

فون سننے کے فوراً بعد میں نے عرصہ دراز سے ساتھ رہنے والے ڈرائیور نور الاسلام کی غیر موجودگی کی پرواہ نہ رکھتے ہوئے جلدی میں اپنی سوزوکی کار گاڑی عجلت میں پشاور کی جانب روانہ کی کچھ دور جدید میں ٹریفک کے بڑھتے ہوئے ہنگامے اور سڑکوں کی خرابی اور پھر میری ذہنی خشکی اور پریشانی کی وجوہات تھیں کہ نوشہرہ کے قریب مغرب سے کچھ دیر قبل ایک پل پر اوورٹیک کرتے ہوئے میں کچی سڑک پر اتر گیا اور وہاں پڑے ہوئے ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا گاڑی کی رفتار اتنی تو نہ تھی لیکن پھر بھی گاڑی تین چار قلابازیاں کھاتی ہوئی نیچے کھڈے میں جا گری۔ حضرت شیخؒ کی دلی توجہ اقدس لمحے حضرتؒ کی خصوصی توجہ اور دعاؤں کے صدقے جان بچی اور گاڑی اگلی قلابازی پر خود ہی درست سائیڈ میں کھڑے ہو کے مزید گہرائی میں گرنے سے بچ گئی اس اچانک حادثہ میں شامی کا بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا مجھے اور میرے نسبتی چچا عطاء الحق کو معمولی خراشیں ہاتھوں اور ٹانگوں پر آئیں اب ایک طرف تو داداجانؒ کا غم و فکر اور دوسری طرف قدرت کی جانب سے اچانک ایکسیڈنٹ کا امتحان میرا ذہن مفلوج ہو گیا تھا بہرحال لوگوں نے سہارا دیا اور ٹیکسی میں بٹھا کر پشاور روانہ کیا میں سیدھا احتشام کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال لے گیا جہاں ان کا پلستر اور دوا کی اس وقت رات بہت زیادہ گذر گئی تھی میرا جسم بھی درد سے پھٹا جا رہا تھا لہٰذا دوائی کھائی اور احتشام کے گھر ہی رات لیٹ گیا۔ صبح سلگتے دل کے ساتھ خیبر ہسپتال پہنچا جہاں میرے محبوب داداجانؒ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں پڑے ہوئے تھے۔

اِدھر ایکسیڈنٹ اُدھر حضرت کی دعائیں

راشد وغیرہ سب ہی موجود تھے سب نے میرے حادثے کے بارے میں فکر کا اظہار کیا میرے پھوپھا جناب انجینئر افسر بہادر خٹک اور چھوٹے بہنوئی انسپکٹر عبد الرب خان پھوپھا حفظ الرحمان صاحب وغیرہ نے بتایا کہ کل جس وقت تمہارا ایکسیڈنٹ ہونا تھا انہی لمحات میں حضرت داجی گلؒ کو تھوڑی دیر کے لیے ہوش آیا تھا جس میں تمہیں معلوم ہے انہوں نے کیا دعائیں مانگی تھیں میں نے کہا کہ نہیں جی۔ تو بتلانے لگے کہ

حضرتؒ نے ان لمحوں میں خاندان کے بچے بچے کی زندگی کی حفاظت سلامتی اور تندرستی اور کامیابی کی دعائیں مانگی تھیں یہ سب اس دعا کی برکت تھی جو اتنے بڑے حادثے میں تم بالکل محفوظ رہے میں نے اثبات میں سر ہلایا اور شکر ادا کرنے کے ساتھ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ بستر مرگ پر پڑے ہوئے بھی ہمیں یاد کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہم سے بھی حضرتؒ کی محبت نے حواس چھین لیے تھے ورنہ میں رات ہی پہنچ گیا ہوتا۔

اب کسی کو پھر نہ آنے دینا

چند گھنٹے یعنی تقریباً بارہ بجے تک میں ان کے ساتھ وارڈ میں اکیلا بیٹھا رہا۔ حضرتؒ کی حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا تھا، لیکن حضرتؒ نے اس لمحہ بھی میری خیریت پوچھی، دار العلوم کے اساتذہ منتظمین گھر کے افراد سب کی خیریت پوچھتے رہے، میں صبر و استقامت اور شفقت کے اس پیکر کو دیکھ کر حیران تھا کہ یا اللہ اس حالت میں بھی اوروں کا خیال اور اتنا اظہار محبت مجھ سے انتہائی آہستہ اور ضعیف آواز میں کہا کہ بیٹا! میں اب ٹھیک ہوں تم گھر چلے جاؤ میرے ساتھ باقی سب افراد موجود ہیں۔ بیٹا اب پھر کسی کو آنے نہ دینا اور خود بھی آنے کی تکلیف نہ کرنا بس ہو گیا۔

؎ حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

اسی دوران میں بعض لوگوں کے باقاعدہ نام لے کر مجھ سے سلام بھجوانے کو کہا جن میں پھوپھی جان ہدایت الرحمن سر فہرست تھیں میں نے حضرتؒ کے ماتھے اور ہاتھوں کا ہلکا سا بوسہ لیا اور ذرا اپنے دل کو پھر ملاقات کی تسلی دیتا ہوا اکوڑہ چلا آیا۔

میں گھر پہنچا غسل کیا نماز پڑھی اور کھانے پر اپنے گھر والوں کو کل کے اپنے ساتھ پیش آنے والے حادثہ اور حضرت داجی گلؒ کی صحت کے بارے میں تفصیل بتا ہی رہا تھا۔

جب قیامت خیز خبر کی گھنٹی بجی

ٹیلیفون کی بھیانک گھنٹی صور قیامت کے اعلان کی طرح بار بار بجی جس نے ہمیں اور پوری امت کو ایک ایسا پیغام دیا کہ جس سے ہماری روحیں تڑپ گئیں دل و دماغ مفلوج ہو گئے زبانیں ساکت ہو گئیں اور تعجب میں پڑی آنکھوں نے اندر کا پگھلتا ہوا خون باہر بہانا شروع کر دیا۔

وفاتت جفوني لذة النوم او لكرى
وبرد احشائي وقطع اكحل
فيا لهف ما القى من الحزن قاتلي
و دمعي على حزني شهيد ومخل

پتہ چلا کہ حضرتؒ نے اپنے باقی تمام سفر روک دیے ہیں اور سفر آخرت

کی زیارت کرنے کی خاطر اپنے آباؤ اجداد کے محبوب قصبہ شہدائے بالاکوٹ کے خون سے نہائی ہوئی میدان کارزار پہاڑوں دریاؤں اور سبزے میں گھری ہوئی سرزمین وادی خوشحال خان خٹک، اکوڑہ خٹک جامعہ حقانیہ میں ہم سب کے بیچ رہتے ہوئے چند گھنٹوں کے قیام اور پھر انہی جگہوں کی خاکِ پاک میں مستقل آرام کرنے کے لیے پشاور سے روانہ ہو چکے ہیں۔ میں اپنے بے حس و جان جسم کو کھینچتے ہوئے جامعہ سے چند افراد کو ساتھ لے کر حضرتؒ کے محبوب گھر پہنچا۔

ہم تیری یادوں کے سہارے جی لیں گے
یا پھر زہر غموں کا پی لیں گے

یادوں کے سہارے

جہاں پر میرے دنیا میں پیدا ہونے پر میرے محبوب داداجانؒ نے اپنی رسیلی آواز کے ساتھ اول اذانِ حق میرے کان میں پہنچائی تھی جہاں گھٹی میں غذائے اوّل کی صورت میں میرے شیخ و مربی پیارے داجی گلؒ نے اپنے لعاب مبارک کو اپنی انگلی پر لگاتے ہوئے میرے لب و زبان اور حلق کو تر فرمایا تھا۔ بقول والدہ ماجدہ، ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حملے اور دھماکوں کے وقت حضرت شیخؒ مجھے خود اپنے سینہ مبارک سے چپکا کر گھر میں کھودے ہوئے تہہ خانے میں اتار دیا کرتے تھے کہ میرا پوتا خطرناک آوازوں کو سن کہیں خوف زدہ ہو کر بیمار نہ پڑ جائے اور مسلسل دم ڈالتے رہتے۔

میرا پہلا روزہ حضرت نے مجھے افطار کرایا

والدہ ماجدہ کے بقول میرے بچپن کی عمر میں رمضان المبارک کا اوّل روزہ رکھنے اور پھر اچانک افطار سے کچھ وقت قبل تمہارا روٹھ کر روزہ کی حالت میں گلی میں بھاگ جانے پر حضرتؒ پریشان ہو کر محلے کی گلیوں میں خود ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوئے ہم سب پریشان تھے مؤذن کی اذان کے نصف میں حضرتؒ تمہیں ہاتھ سے پکڑے گھر پہنچے اور اپنے ہاتھ سے افطار کروا کر اطمینان کا اظہار کیا جس گلی میں حضرتؒ نے میری انگلی پکڑ کر چلنا پھرنا سکھایا جس گلی کے وسط میں واقع حضرتؒ کی یادگار مسجد میں خود حضرت نے بارگاہ ایزدی کے سامنے مجھے سر خم کرنا سکھایا ـــــ کتاب اللہ ہاتھ میں لے کر مجھے استاد صاحب کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہاری اوّل درسگاہ ہے آج اسی گلی اور مسجد کے اختتام تک پہنچ کر (زندگی کے بازار کے آغاز میں)، سینکڑوں گاؤں والوں کے ساتھ حضرتؒ کے استقبال کے لیے بے قرار روح و جان کے ساتھ میں زندگی کی کٹھن راہ پر چلنا سکھانے والے رہبر و سرپرست کی آمد کے انتظار میں کھڑا روح و جسد شیخؒ سے مخاطب تھا کہ؛

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

عید کیسے گزری

وفات کے بعد رمضان المبارک میں سوچ رہا تھا کہ جمعۃ الوداع کے گزر جانے کے بعد عید سعید سر پر کھڑی ہے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی حضرت شیخؒ کے گھر میں خاندان کے تمام چھوٹے بڑے مرد و زن ایک جگہ اکھٹے ہوں گے لیکن عید گاہ روانہ ہونے سے قبل اپنے صحن گلستان کے وسط میں کھڑے ہو کر دعائیں اور عیدی بانٹنے والا مہربان سخی ہمارے بیچ نہ ہوگا عید کی رونق اور خوشیوں کے بجائے رنج و غم کے بادل، آہیں اور سسکیاں ہوں گی۔ نماز فجر اور نماز عید پڑھنے کے بعد روحِ محفل شیخ و مربی سے ملنے والے ملاقاتی آنا شروع ہوں گے لیکن افسوس صد افسوس وہ اپنے رہبر کو عید کی مبارکباد دینے اور دعائیں لینے کے بجائے حضرتؒ کے جانشینوں کے ساتھ حضرت کی یاد تعزیت اور فاتحہ خوانی میں مصروف ہوں گے۔

شمعِ محفل بجھ گئی باقی ہے پروانوں کی خاک
اب نہ تڑپے گی کبھی محفل میں دیوانوں کی خاک

حضرت کی دعا اور دستار بندی کی تقریب

حال ہی میں خالص حضرت کی دعاؤں سے مالامال ہونے کی خوشی مجھے ایک مرتبہ پھر ماضی کی یادوں کے دریچے کھولنے پر مجبور کر رہی ہے جو کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت شیخؒ کی نظر کرم اور دعاؤں کے صدقے ایک خواب جو سچا نکل کر پورا ہوا۔ جیسا کہ میں رمضان میں لکھے ہوئے مضمون اول میں جشن صد سالہ دیوبند پر جانے کا ذکر کر چکا ہوں کہ میں اور چھوٹے بھائی راشد الحق بھی حضرتؒ کے ساتھ ہندوستان گئے تھے، حضرتؒ کے کئی متعلقین و خادمین کے علاوہ والد گرامی، چچا جان حضرت مولانا انوار الحق میرے بہنوئی شفیق الدین فاروقی صاحب، حضرت مولانا لطف الرحمٰن فاضل دیوبند، الحاج ممتاز علی خان اور محمد اجمیر خٹک صاحب بھی حضرتؒ کے ساتھ تھے دیوبند اجتماع میں دستار بندی چند ہی عظیم مشاہیر اکابر کی کرائی گئی جن میں داداجانؒ بھی شامل تھے، حضرت اور والد صاحب کی غیر موجودگی میں دارالعلوم دیوبند کے ایک کمرہ میں دن کے کسی حصہ میں میرے اور راشد بھائی کے ساتھ الحاج ممتاز علی خان صاحب اور دیگر حضرات دل لگی اور مذاق میں مشغول تھے کبھی میں اور راشد ایک دوسرے کے سر پر اور کبھی حاجی صاحب اور دیگر حضرات کے سر پر اور کبھی وہ حضرات ہمارے سر پر چادر سے دستار باندھتے اور کہتے کہ کیا ہوا کہ جو اکابرین دیوبند نے ہماری دستار بندی نہ کی ہم خود ایک دوسرے کی دستار بندیاں

کر لیتے ہیں جب سب حضرات شام کو اکھٹے جمع ہوئے تو حاجی صاحب نے مذاقاً ہمارا واقعہ حضرتؒ کو بیان کر دیا حضرتؒ نے مسکرا کر دعا دی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ ایک دن اپنے وقت پر علوم دینیہ کے حصول کے بعد ان کی دستار بندی ضرور کروائی جائے گی اور اللہ تعالیٰ آپ سب سے دین کا کام لے گا، قبولیت کی گھڑی تھی راشد الحق کی دستار بندی حفظِ قرآن کرنے کی نسبت سے حضرتؒ کی زندگی میں ہی ایک پُر رونق تقریب میں ہوئی اور اب جبکہ اس سال جامعہ حقانیہ سے میں نے دورۂ حدیث کا آخری امتحان پاس کیا سال بھر کے دوران میری آنکھیں دارالحدیث کے وسط میں رکھے ہوئے حضرت شیخ الحدیثؒ کے تخت نما مسند مبارکہ پر جمی رہتی کہ کاش دادا جیؒ اس طرح درس دے رہے ہوتے کاش ہم بھی سندِ حدیث حضرت شیخ الحدیث کے ہاتھ سے وصول کرتے الحمد للہ شاگردی کے زمرے میں تو کئی مرتبہ شمار ہو چکے تھے اور ترجمۃ القرآن جو مولانا مفتی غلام الرحمٰن اور مولانا عبدالقیوم حقانی دورہ تفسیر کی شکل میں پڑھاتے ہیں۔ کی سند اسی دارالحدیث میں تو آپ کے مبارک ہاتھوں سے حاصل کر چکے تھے اور پھر دستار بندی کے دن ان کی یادیں میرے دل میں جوش سمندر کی طرح موجزن تھیں گلشن حقانیہ کے اس جشن میں کمی تھی تو صرف گلشن کے باغبان کی۔ میرے دل میں اس وقت حضرتؒ کی یادوں کے نشتروں نے شگاف گہرے کر دیئے۔

> ؎ درد اُٹھ اُٹھ کے میرے دل میں ٹھہر جاتا ہے
> کیوں رگِ دل کی جگہ سینہ میں نشتر نہ ہوا

استاذ محترم مولانا حافظ مفتی غلام الرحمٰن کے اعلان کے ساتھ ہی جب حضرتؒ کی دستار مبارک جو کہ حضرت شیخؒ کے سر مبارک پر وفات کے وقت باندھی ہوئی تھی اور جو حضرتؒ کے جنازہ کے موقع پہ مشاہیر اسلام نے حضرت ابا جان کے سر پہ باندھی تھی اس موقع پر حضرت ابا جان نے آرزو کیمطابق اسی دستار مبارک کو میری دستار بندی کے لیے حالی جو مجھ گنہگار کے سر پہ باندھی جا رہی تھی تو ایسے میں سید سلمان گیلانی کی نظم اردو اشعار اور محترم استاد مولانا ابراہیم فانی کے پشتو اشعار نے میرے دل و دماغ میں گونج کر میرے غم میں مزید اضافہ کر دیا۔ خوش الحان شاعر بول رہا تھا۔

> ؎ آج تیرے سر پہ جب دستار رکھی جائے گی
> یاد دادا جان کی تجھ کو یقیناً آئے گی
> جسکے تقویٰ اور طہارت کی قسم کھائے جہان
> جسکے ایمان کی گواہی دے زمین و آسماں

> ؎ په دستار ده خپل نمسي باندې لاس کیږده
> نن فاضل شو جلوه داره چرته یې؟

لیکن میری ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں کے سامنے مفتی اعظم شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب دامت برکاتہم، حضرت علامہ مولانا صبغت اللہ مجددی سابق صدر افغانستان، حضرت علامہ برہان الدین ربانی، موجودہ صدر افغانستان جناب عبدالرب رسول سیاف مولانا محمد یونس خالص، مولانا جلال الدین حقانی جیسے مجاہدین اور قبلہ گاہ محترم والد ماجد اور دیگر بزرگ نورانی چہروں والے اساتذہ کرام اور ملک بھر کے کئی علماء کرام موجود تھے جس سے میرے غم میں کچھ کمی ہوئی اور ایک لمحہ میں وہی دارالعلوم دیوبند کا واقعہ اور نقشہ میرے ذہن میں دوبارہ گھوم گیا جب اس وقت کی دل لگی اور ہنسی مذاق پر حضرت دادا جان نے فرمایا تھا کہ ایک روز تمہاری دستار بندی ہوگی۔

> ع گفتہ او گفتہ اللہ بود
> گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان خوشی کے لمحات میں شریک محبین بزرگ ساتھی مبارک باد دینے کی غرض سے مجھ سے بغلگیر ہوئے جن میں الحاج ممتاز علی خان بھی شامل تھے حاجی صاحب نے ملنے سے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے دیوبند کے واقعے کی یاد دلوا دی، قارئین کرام حضرت دادا جانؒ کی یادوں اور نصیحتوں کی یہ لمبی داستان یہاں تک ہی پہنچ کر ختم نہیں ہوتی بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تا قیامت میری زندگی کے آخری سانس تک میری راہ میں روشنی کے مینار کا کام دے گی اور الحمد للہ اب بھی کئی مرتبہ خوابوں کے ذریعہ حضرۃؒ میری رہنمائی فرما چکے ہیں میری زندگی کا اب بھی یہی معمول ہے چونکہ

> ؎ ان کے ایک جاں نثار ہم بھی ہیں

کہ میں کچھ دنوں کے بعد حضرت دادا جانؒ کے چھوڑے ہوئے سابق مکان، کمرہ، مسجد، گلی کوچوں اور پھر حضرتؒ کے چھوٹے بھائی حضرت جناب زرالحق صاحب (یعنی چھوٹے دادا جی) کی زیارت کرنے کے ساتھ ساتھ الحمد للہ ثم الحمد للہ روزانہ گھر سے جامعہ پڑھانے کی غرض سے جاتے آتے وقت حضرت دادا جانؒ اور حضرت دادی جان کی قبروں پہ فاتحہ خوانی کی حاضری دینے کی غرض سے باقاعدہ حاضر ہوتا ہوں تاکہ ان کی یادیں اور نسبتیں ہمیشہ ہمیشہ میرے دل و دماغ میں رچی بسی رہیں۔

> ؎ کوئی رہے نہ رہے اِک آہ اِک آنسو
> بصد خلوص و بصد امتیاز ساتھ رہے
> آسمان تیرے لحد پہ شبنم افشانی کرے
> سبزہ نورستہ اِس گھر کی نگہبانی کرے